تعلیم

اقبال کا تصور تعلیم اور عصری صورت حال

ڈاکٹر وحید قریشی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرے اس مقالے کے دو حصے ہوں گے۔ پہلے حصے میں بنیادی فلسفیانہ مسائل اور تعلیمی تصورات کے باہمی رشتوں پر گفتگو ہوگی۔ دوسرے حصے میں البتہ اقبال کے تعلیمی نظام کی اطلاقی صورتوں کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ جدید نظام تعلیم اور قدیم تعلیمی تصورات کے پس پردہ کار فرما رشتوں کا سراغ لگایا جاسکے اور یہ معلوم ہوسکے کہ اقبال کی نظر میں ان کے مابین تطبیق و تعبیر کی کیا ممکنہ صورتیں ہیں اور عصر حاضر پر اس کا اطلاق کہاں تک ممکن ہے۔

اقبال' مغربی علوم کے حق میں تھے' لیکن قدیم سرمائے کو بھی نظرانداز کرنے کے قائل نہیں تھے۔ فلسفیانہ سطح پر وہ جملہ عوامل کو اکائی کی صورت میں دیکھتے تھے اور ماضی' حال' مستقبل کو ایک کل کے طور پر متشکل کرنا چاہتے تھے۔ وہ جدید علوم کی افادیت کے منکر نہ تھے' لیکن جدید اور قدیم کے درمیان تطابق کو ضروری جانتے تھے' اس لیے ان کے ہاں مغربی تعلیم کی بعض خرابیوں کا برملا اظہار بھی ملتا ہے اور قدیم سرمایہ علم کی توسیع کا احساس بھی۔ ان دونوں کے درمیان ایک نئے Synthesis کی تلاش ان کے نزدیک ضروری تھی۔ ہم اگر فکر اقبال کے ان پہلوؤں کو صحیح تناظر میں رکھ کر نہیں دیکھیں گے تو بعض جگہ ہمیں تضاد کا شبہ ضرور ہوگا۔ یہ احساس شاید اس لیے بھی ہوتا ہے کہ اکثر اقبال کے شعری سرمائے ہی سے ان کے اساسی تصورات کا استخراج کیا جاتا رہا اور ان کے نثری کارناموں کو زیادہ لائق اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ علامہ کی نثری تحریروں کو شعری مواد سے ملا کر دیکھنے کی سعی کم کم کی گئی ہے' یہی وجہ ہے کہ تصورات اقبال کثرت تعبیر سے ایک ملغوبہ سا بن گئے۔ خالق تصور پاکستان ہونے کے ناتے سے ان کے اکثر تصورات کو سیاسی طور پر استعمال بھی کیا گیا۔ مختلف مکاتب فکر کے رہنماؤں نے اپنے اپنے مطالب کی چیزیں' سیاق و سباق سے جدا کرکے' اپنے حق میں استعمال کیں اور اصل اقبال ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔

زیر نظر مطالعے میں کوشش کی گئی ہے کہ علامہ کے نثری سرمائے اور شعری تخلیقات کے درمیان امکانی رشتوں کو پیش نظر رکھ کر علامہ کے تصور تعلیم کا جائزہ لیا جائے۔

(ا)

علامہ کے نظام تعلیم پر پہلی کتاب "Iqhal's Educational philosophy" ہے جسے خواجہ غلام السیدین نے لکھا۔ کتاب علامہ کی زندگی میں لکھی جا رہی تھی اور اس کا خاکہ علامہ کو دکھایا گیا لیکن یہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی' ان کے انتقال کے بعد ۱۹۳۸ء ہی میں منظر عام پر آئی۔ یہ ان کے تعلیمی نظریات پر پہلی اور مقبول ترین کتاب ہے۔ ۱۹۶۰ء تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے۔ تقسیم برصغیر کے بعد مصنف نے اس پر نظرثانی کر کے کئی اقتباسات کا اضافہ بھی کیا تھا۔ اس میں علامہ اقبال کے فلسفے کے ان گوشوں کو پیش کیا گیا جن کا تعلق کسی نہ کسی نہج سے علامہ کے تصور تعلیم سے ہوسکتا ہے۔ کتاب تکمیلی صورت میں نو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے دو باب انفرادیت کے بارے میں ہیں' تیسرے میں روحانی اور مادی تصورات کے رشتوں کی بات کی ہے' چوتھا باب فرد اور معاشرے کے باہمی ربط پر ہے' پانچویں میں تخلیقی ارتقاء' چھٹے میں عقل اور کشف کا ذکر ہے' ساتویں میں اچھے کردار اور تعلیم کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے' آٹھواں باب اسلام کے سماجی نظام پر ہے اور نویں میں تعلیم کا تخلیقی تصور پیش کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس میں علامہ کے فلسفیانہ افکار کے بنیادی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ ہے:۔

(الف) فرد کی تعلیم و تربیت

(ب) مادی اور روحانی زندگی کے درمیان تعلق

(ج) انسان کی تخلیقی قوتوں کا جو کشفی (اقبال کی زبان میں 'عشق') رشتہ عقلی مسائل کے ساتھ ہے۔

(د) نیز اچھے کردار کی تشکیل اور اسلامی نظام میں اس کی فعال حیثیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گویا علامہ کے فلسفیانہ نظام کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور فرد کی تعلیم و تربیت اور 'خودی' کے حوالے سے اس کی نشوونما نیز 'رموز بے خودی' کے حوالے سے فرد کا جو رشتہ معاشرے کے ساتھ ہے' اس کی بعض کڑیاں بیان ہوئی ہیں۔ بنیادی زور علامہ کے فلسفیانہ افکار پر ہوگیا ہے اور تعلیمی پہلو دب سا گیا ہے۔ صرف نواں باب اصل موضوع سے متعلق کہا جا سکتا ہے' اور اس کو پوری کتاب کا حاصل سمجھنا چاہیے۔

دوسری اہم کتاب "اقبال کے تعلیمی نظریات" ہے۔ یہ اول الذکر کتاب کی توسیعی شکل ہے جس میں کچھ ڈایاگراموں کا اضافہ کر کے فرد کی تعلیم اور اس کے ماحول کے رشتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ نظام تعلیم کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لیے ڈایاگرام استعمال ہوئے ہیں' لیکن

ان اشکال کا تعلق علامہ اقبال کے تصور تعلیم کے ساتھ پوری طرح قائم نہیں ہو پایا۔ بہرحال' اپنی حدود میں یہ کتاب غلام السیدین کے فلسفیانہ بیانات کو سہل زبان میں پیش کرتی ہے۔

۱۹۷۶-۶۷ء کا سال اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں اقبال کے تعلیمی تصورات کی طرف زیادہ توجہ رہی۔ جامعہ کالج ملیر کراچی میں ۲۲' ۲۳' ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو 'اقبال اور تعلیم' کے عنوان سے ایک سیمینار ہوا جس میں اقبال کے تعلیمی تصورات کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پیش ہوئے۔ اقبال کے فلسفے کی تعلیمی نوعیت' اقبال کا تصور انسان و معاشرہ' فکر اقبال میں مشرق اور مغرب کا تعلق' اقبال کی نظر میں تعلیم کے مقاصد' اقبال کا فلسفہ اور تعلیمی نفسیات' اقبال بطور استاد' اقبال کا اثر پاکستانی تعلیمی منظر نامے پر' اور پاکستان کی ذہنی زندگی پر اقبال کا اثر کے موضوعات پر مقالے پیش ہوئے اور اقبال اینڈ ایجوکیشن (Iqbal and Education) کے عنوان سے شائع ہوئے۔ ان مقالات میں تعلیمی تصورات کے بارے میں کم اور اقبال کے فلسفہ حیات پر زیادہ زور ہے۔ سبب شاید یہ ہے کہ اقبال کے تصور انسان اور تعلیمی تصورات کے درمیان حد بندی مشکل ہے۔ دوسری اہم کتاب جو بزم اقبال کی طرف سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی' بیروت کی امریکی یونیورسٹی میں پیش کردہ ایم اے تعلیمات کا تحقیقی مقالہ ہے جس کا عنوان "اقبال' فلاسفی اینڈ ایجوکیشن" ہے۔ مقالے کے مصنف میاں محمد طفیل ہیں جنہوں نے اقبال کی زندگی' تصانیف اور فلسفے کے بارے میں کئی باب لکھے ہیں۔ صرف چوتھا باب ہمارے موضوع سے متعلق ہے۔ یہ باب اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں پہلی بار نصابات کو موضوع بنایا گیا ہے اور اقبال کے نصابی نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ اقبال کی نظر میں نصاب سازی میں مواد پر پوری قدرت ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ نصاب کا کام گرد و پیش کے بارے میں انسانی شعور کی بیداری اور نصب العین کی بازیافت ہے۔(۱)

دوسرا پہلو جس پر بہت زور دیا گیا ہے' وہ ڈوئی (Dewey) کے تصورات اور اقبال کے تصورات تعلیم کے درمیان مشابہت اور اختلافات کی نشاندہی ہے۔ اس نقطۂ نظر کی بنیادی اہمیت اس چیز پر ہے کہ وقت کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ' مقاصد کے حصول کے لیے' درسی مواد کی وقتاً فوقتاً تبدیلی ناگزیر ہے۔

"اقبال اور مسئلہ تعلیم" کے موضوع پر ۱۹۷۸ء میں مولوی محمد احمد خاں نے کتاب لکھی جو تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں علوم جدید کے بارے میں 'اقبال کے تصورات' مقاصد تعلیم کے بارے میں سیکولر اور دینی تعلیم کا فرق' اقبال کے تصور امتزاج علم و عشق اور اسلامی ریسرچ

کے علاوہ تعلیم نسواں اور صنعتی تعلیم کے بارے میں علامہ کے اقتباسات کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے اسے غلام السیدین کی کتاب کا ایک اگلا قدم تصور کرنا چاہیے۔ مشاہدۂ قدرت' استقرائی طرز استدلال اور تجربی طریقہ تحقیق پہلی بار تفصیلی طور پر زیر بحث آئے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کا دوسرا باب بہت اہم ہے۔

۱۹۷۸ء ہی میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی "اقبال سب کے لیے" آئی جس میں' کسی قدر تفصیل کے ساتھ' ایک باب علامہ کے تصور تعلیم کے سلسلے میں شامل ہے۔ یہ مواد کتاب کے باب چہارم میں درج ہے۔ اس میں انہوں نے اقبال کے تعلیمی نظریات کے بارے میں لکھے گئے مواد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق فلسفہ تعلیم کے متعلق شائع ہونے والی مذکورہ بالا کتابوں میں تعلیم کے اصطلاحی مفہوم کے بجائے عام مفہوم کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ غیر اصطلاحی مفہوم میں تعلیم سے مراد آدرش' پیغام' درس حیات یا ہدایات وغیرہ قرار دیے گئے ہیں۔ جملہ کتب میں اس پہلو کو ماہرین تعلیم نے سامنے رکھا ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں درس و تدریس' تعلیم و تعلم یا مدرسہ و مدارس سے متعلق مسائل کو سرے سے معرض بحث میں لایا ہی نہیں گیا۔ ڈاکٹر فرمان صاحب نے ۱۸ فروری ۱۹۱۲ء کے تحت' لازمی تعلیم کے موضوع پر علامہ کی تقریر کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں اسلامی تاریخ کے پرچے کے خارج از نصاب کیے جانے کا ذکر کر کے علامہ اقبال کے تصورات کو تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسلامی مرکز کے قیام اور مشرقی اور مغربی علوم کے درمیان رشتوں کے بارے میں چند اشارے بھی درج ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے "ضرب کلیم" میں سے تعلیم و تربیت کے مسائل والے اشعار درج کر کے' علامہ کے تصور تعلیم سے ان کا ربط قائم کیے بغیر' درمیانی کڑیوں کی تلاش کا کام قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

کراچی ہی سے ایک اور کتاب مسٹر جو بش کی ہے۔ یہ ایم اے کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے لکھا گیا ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ دراصل یہ مقالہ اقبال کے تعلیمی نظریات کی تلخیص ہے۔

تعلیم کے حوالے سے اقبال پر سب سے اہم کتاب بختیار حسین صدیقی کی ہے۔ "اقبال بحیثیت مفکر تعلیم" ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی اور اب تک اقبال کے نظریہ تعلیم پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے اہم اور قابل توجہ ہے۔ اس میں فکر اقبال کے بعض گوشوں کو نمایاں کر کے ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جن کا تعلق واقعی علامہ کے تصور تعلیم کے ساتھ ہے۔ صرف ایک پہلو سے یہ کتاب تشنہ ہے کہ مصنف نے فکر اقبال پر مغربی فلسفیوں اور ماہرین تعلیم

کے اثرات کا پورا احاطہ نہیں کیا اور مفکرین و ماہرین تعلیم کے نظریات کو الگ الگ پیش کر دیا ہے' اور ان کا رشتہ فکر اقبال سے اس طرح نہیں ملایا کہ فکر اقبال پر ان مفکرین کے تصورات کا اثر معلوم ہو سکے۔ باقی امور میں یہ کتاب یقیناً بڑی اہمیت کی حامل ہے' اور ساتویں باب کو چھوڑ کر جس میں اقبال نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں' اس موضوع پر پہلی سنجیدہ کوشش ہے۔

(۲)

ان کتب کی روشنی میں اقبال کے تصور تعلیم پر غور کیا جائے تو اس میں علامہ کی ذہنی اساس چار فکری تصورات پر مبنی نظر آتی ہے:۔

(الف) تصور توحید

(ب) تصور زماں و مکاں

(ج) عمل اور حرکت کا تصور اور

(د) قانون اعتدال

علامہ کی فکر کے یہ چار پہلو ان کے دینی تصور سے نکل کر فلسفیانہ افکار تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور زندگی کے مختلف مظاہر کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔

(الف) تصور توحید

تصور توحید محض خدا کو ایک ماننے پر منحصر نہیں بلکہ علامہ اس کی تجرید کرتے ہوئے' اسے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں پھیلاتے ہیں۔ انسانی ذہن کے حوالے سے یہ ایک وژن (VISION) ہے اور وحدت فکر پر منتج ہوتا ہے۔ سماجی حوالے سے ملت کی وحدت' تمدنی وحدت' دین اور دنیا کی وحدت' موت اور حیات کی وحدت' انسان اور خدا کے رشتے کی وحدت' شخصی آزادی اور معاشرے کی حدود کا باہمی تعلق' معاشرے اور فرد کی اکائی' جسم اور روح کی وحدت' روحانیت اور مادیت کی وحدت' عقل و عشق کی اکائی' علم اور عمل کی وحدت اور زندگی کے دوسرے دوائر میں یکجہتی کی جستجو کا نام ہے۔ تعلیمی میدان میں یہ شخصیت کی وحدت' وحدت فکر کی جملہ اشکال یا اقبال کی زبان میں خودی کی نشوونما پر منحصر ہے۔ یہ سارا عمل تضاد کا مقابلہ کر کے وحدت کی تلاش کا عمل ہے۔ حیوانی خودی اور رحمانی خودی میں رحمانی خودی کی تشکیل اور شیطانی خودی کو مسخر کرنے کی خواہش اہم ہے۔ تضادات میں وحدت کی تلاش و جستجو' سماجی سطح پر

وحدت انسانی کی طرف جانے کا عمل ہی تو ہے۔ روزمرہ زندگی میں گویا یہ عمل جستجوئے اخوت پر مشتمل ہے۔ تعلیم میں معراج اخوت یہ ہے کہ تعلیم سے دوئی کو خارج کیا جائے۔ نصاب میں وحدت کی بحالی، نصاب کو اکائی میں تبدیل کرنے کا عمل بھی ہے اور فرد کی نشوونما میں فرد کی خودی اور اجتماعی خودی کے درمیان وحدت کی تلاش بھی۔ یہ وحدت آزادی کی حدود کے تعین پر منحصر ہے۔ حریت فکر و عمل کی طرف پیش قدمی، آزادی اور مادرپدر آزادی کے درمیان فرق اور تقلید اور آزادی میں توازن قائم کرنے کی جستجو کے بغیر نظام تعلیم گمراہی کا سامان ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کا نظام اخلاق ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ شخصی آزادی، معاشرے کا عمل دخل، انسان اور خدا کا رشتہ، رسالت کا تصور، بندے کا خدا سے رشتہ، بندے کا بندے سے رشتہ، معاشرتی ارتکاز کا وہ پیمانہ ہے جس میں فرد کی روحانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت بھی معاشرے ہی کے فرائض میں شامل ہے۔ یہ طریق کار دین کے ساتھ دنیا کی بحالی اور زندگی میں اعلیٰ مقاصد کے لیے لگن پیدا کرنے کا عمل ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک سماجی عمل بھی ہے۔ علامہ اقبال انسان اور کائنات کے باہمی رشتوں کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ وہ دین کے ساتھ دنیا کے قائل ہیں۔ اسلام کو وہ مذہب نہیں سمجھتے ایک لائحہ عمل جانتے ہیں' اور مذہب کی خاطر دنیا کی نفی کرنے کے قائل نہیں۔ گویا وہ اسلام کو مذہب نہیں' دین مانتے ہیں۔ بقول سید عبداللہ وہ خدا، کائنات اور انسان، تینوں کو ایک ہی حقیقت مطلقہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اسے تین رخوں کی حیثیت سے دیکھتے اور مجموعی نظام کائنات میں تینوں کو ایک مرتبہ دیتے ہیں؛ اسی لیے ان کے تصور میں تینوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔

(ب) زمان و مکاں

علامہ کے ہاں زمان و مکاں کا تصور بھی تصور توحید کی طرح علامتی حیثیت رکھتا ہے۔ خطبات میں وہ زمان و مکاں کے تصور کو مسلمانوں کے لیے موت و حیات کا مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی فکری زندگی میں زمان و مکاں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لیے وہ اسے ایک سے زیادہ اطراف میں پھیلا کر دیکھتے ہیں۔ زمان و مکاں ان کے نزدیک مادے سے توانائی تک کا سفر ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی توانائی کی آخری صورت بن کر 'خطبات' میں جلوہ گر ہے۔ یہی مکاں سے زماں تک کا سفر بھی ہے۔ اقبال وطنیت سے محبت کو ایک نفسیاتی حقیقت تصور کرتے ہیں، لیکن سفر زندگی میں وہ اس تعمیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے وطن کی محبت کو بالآخر ملت کی محبت اور جغرافیے کو اقدار میں بدل دینے کا عمل گردانتے ہیں۔ زمان و مکاں کی

تیسری جہت حقائق سے تجرید کی طرف جانے کا عمل بھی ہے۔ خدا، کائنات اور انسان تینوں کو وہ ایک ارتقائی ذہنی عمل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ماضی، حال اور مستقبل ایک رشتے میں پروئے ہوئے ہیں اور شخصی یا سماجی عمل کا حصہ ہیں۔ کائنات مسلسل ترقی اور عمل کی طرف گامزن ہے۔ انسانی زندگی ہر لحہ بدلتی رہتی ہے۔ نئے نئے روپ اختیار کرتی ہے اور جادۂ ترقی پر قدم پیا ہے۔ اسی طرح علوم و فنون بھی مسلسل ارتقاء کی طرف رواں ہیں۔ اسی بناء پر ہر دور میں اسلام کے بنیادی افکار کی تشکیل نو ضروری رہی ہے۔ فقہی سطح پر یہ فقہ اسلامی کی تعبیر نو ہے۔ قرون وسطیٰ کا نظام فقہ آج بیکار ہوچکا ہے۔ عصر حاضر میں اجتہادی نقطۂ نظر کے ذریعے اس کی تشکیل جدید ضروری ہوگئی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے بھی معاشرے کو ایک ایسے فرد کی ضرورت ہے جو "مکان" سے بلند ہو کر "زمانی تسلسل" کو آشکار کرسکے۔ تعلیم کا نصب العین ایک ایسے مرد حر، مرد مومن اور انسان کامل کی تلاش ہے جو معاشرے میں حقائق حیات کی روشنی میں اسلام کی تعبیر نو کا اہل ہو۔ تعلیم کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ معاشرہ ایسے افراد پیدا کرے۔ لازم ہے کہ سماج تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام وضع کرے جس میں فرد وحدت فکر سے ہمکنار ہو کر معاشرتی ضرورت کو پورا کرسکے اور ماضی کو رد کیے بغیر حال کا رشتہ آئندہ کے امکانات کے ساتھ جوڑ سکے۔

(ج) عمل اور حرکت کا تصور

علامہ اقبال کے نزدیک وحدت فکر اور اجتہاد کا عمل بڑھتے ہوئے تمدن اور تسلسل حیات کے لیے حرکت اور عمل کے بغیر ممکن نہیں۔ زندگی میں شیطانی اور رحمانی عناصر ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے ہیں، ترمیم اور تنسیخ کا عمل مسلسل جاری ہے، خیر اور شر کی قوتیں ایک دوسرے سے مصروف پیکار ہیں۔ انسان ایک اختیار یافتہ وحدت ہے۔ وہ اپنی ارتقائی صورت میں مادے کو روحانی اقدار کے لیے استعمال کرتا ہے۔ انسان شیطانی قوتوں سے مسلسل برسرپیکار رہتا ہے اور بقول اقبال اجتہادی گہرائیوں میں اتر کر فکر ذہنی کی تشکیل نو کرتا ہے۔ انسان مسلسل جدوجہد میں مبتلا ہے۔ یہی زندگی کا لازمی عنصر ہے۔ اسلام میں حرکت کا اصول زندگی کی تگ و دو کا نقطۂ ارتکاز ہے۔ گویا عمل اور حرکت زندگی کا دوسرا نام ہے۔ عمل اور خواہشات سے کنارہ کشی موت ہے۔ حرکت تکمیل ذات میں بھی معاون ہے اور تکمیل کائنات میں بھی جاری و ساری۔ دینی زندگی میں یہی عمل اجتہادی فکر بروئے کار لانے کا عمل ہے۔ رسول پاکؐ کی ذات "انسان کامل" کا تصور پیش کرتی ہے۔ اس آئیڈیل کو سامنے رکھ کر بندہ خدا سے بھی رشتہ

جوڑتا ہے اور کائنات سے بھی اپنا تعلق قائم رکھتا ہے۔ انفرادی نشوونما اجتماعی نشوونما سے الگ نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کائنات بلامقصد وجود میں نہیں آئی۔ اعتدال اور توازن کا قانون ہر جگہ ایک اٹل قانون فطرت ہے جسے اسلام نے بنیادی اہمیت دی ہے اور جس کے سہارے زندگی اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔

(د) اعتدال کا قانون

اعتدال کے قانون کے تحت خودی کو جائز حدود میں رکھنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ برے بھلے کی پہچان انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ انسان کو اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ اچھے اور برے کے درمیان امتیاز کرے' خیر کی طرف راغب ہو اور شر سے اجتناب کرے۔ گویا ہر وقت انسان یوم الحساب میں مبتلا ہے اور وہ اپنی قسمت کا خود ہی خالق ہے۔ خیر اور شر کی آویزش میں اپنے اختیار کو بروئے کار لا کر فرد نیکی کی طرف بھی جاسکتا ہے اور بدی کی طرف بھی۔ لیکن اگر تصور توحید نمایاں ہے اور ذہن وحدت فکر سے آشنا ہے تو اس کی زندگی وحدت کی طرف رواں ہوگی۔ اگر "مکان" سے "زمان" کی طرف انسان کا رخ ہے اور اس کا قبلہ درست' تو عمل اور حرکت کی مدد سے وہ صحیح نتائج کا استخراج کر سکتا ہے بشرطیکہ توازن کو نظرانداز نہ کرے اور اپنے بنیادی مقصد کے حصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

(۳)

اقبال کا تصور تعلیم پانچ بنیادی نتائج پر مشتمل ہے :-

۱۔ علم کے ساتھ عمل اور تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے۔ یہاں محض تعلیم کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک تربیت اس کا لازمی حصہ نہ ہو۔ تربیت انسان کو معاشرے کا حصہ ہونے کا شعور عطا کرتی ہے اور اسے کردار کی پختگی دیتی ہے۔ علم اسے روشنی دیتا اور عمل اس کی اطلاقی صورت کو متعین کرتا ہے۔ علامہ علم و عمل دونوں کو تعلیمی سطح پر مربوط قرار دیتے ہیں۔ علم کے بغیر عمل ایک دو دھاری تلوار ہے جو خود تلوار چلانے والے کو بھی قتل کر سکتی ہے۔ علم اور عمل میں فاصلے تو منافقت پر منتج ہوتے ہیں' اور یہی آج ہمارا مقسوم ہے۔ ہم آج اسی عذاب میں مبتلا ہیں اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

۲۔ علامہ اقبال کے نزدیک خودی کے تین مراحل ہیں۔ اطاعت' ضبط نفس اور نیابت الٰہیہ۔

آخری درجہ مردِ حر، مردِ مومن یا مردِ قلندر کا ہے۔ یہی علامہ کا آئیڈیل انسان ہے۔ تعلیم کا مقصد تربیت کے ذریعے اس آئیڈیل کی تشکیل اور تعمیر ہے لیکن یہ فرد خلا میں سانس نہیں لیتا بلکہ معاشرے کا حصہ بھی ہے۔

۳۔ فرد معاشرے کا حصہ ہونے کی حیثیت سے دوگونہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ معاشرے کو متاثر کرتا ہے اور معاشرہ بھی اس پر اثرانداز ہوتا ہے۔ اچھا معاشرہ اچھے افراد پیدا کرے گا۔ علامہ اقبال اشتمالی تصور تاریخ کے قائل نہیں جس میں افراد اپنے آس پاس کی قوتوں کا کھلونا ہیں۔ ان کی رائے میں پختہ کردار کا انسان معاشرے کی شکل و صورت بدل بھی سکتا ہے۔ پلیخنوف کے تصور تاریخ کو علامہ اقبال نے قبول نہیں کیا بلکہ وہ تو فکری طور پر اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کی رائے میں ہر دور ایک نہ ایک مردِ مومن سے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ یہ مردِ ہر معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لاتا ہے۔

اپنے خطوط میں اقبال نے ہر دور میں "ظہور مہدی" کا تصور پیش کیا ہے۔ مردِ مومن کی تلاش میں مختلف ادوار میں مختلف عظیم شخصیتیں علامہ کے لیے پرکشش رہیں۔ ماضی کی فوجی شخصیتیں اقبال کے لیے عجیب طرح کے جذباتی لگاؤ کا باعث بنی ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر، ٹیپو سلطان اور صلاح الدین ایوبی ایسی شخصیتیں اقبال کو زندگی بھر Haunt کرتی رہیں اور اقبال کے آئیڈیل معاشرے کی تشکیل نو میں بروئے کار رہیں۔ معاصرین میں اقبال کو کبھی تو مصطفیٰ کمال پاشا، کبھی رضا شاہ پہلوی، کبھی امان اللہ خاں، کبھی نادر شاہ (فرماں روائے افغانستان) اور کبھی قائداعظم میں مردِ حر کی صفات ملتی ہیں۔ وہ دیکھتے اور پرکھتے ہیں، اور جو شخصیتیں انہیں مایوس کر دیتی ہیں وہ بالآخر انہیں رد بھی کر دیتے ہیں۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی! (۲)

آخر میں قائداعظم میں انہوں نے ایک سپاہی دریافت کر لیا جو برصغیر میں مسلمانوں کو ایک آزاد ریاست کا جغرافیہ دے سکتا تھا۔ علامہ کے تصور تعلیم کا ایک مقصد اس طرح کے مردانِ حر کی تخلیق ہے۔

۴۔ فکری یکجہتی یا وحدت فکر کے عمل کو انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر حاوی کرنا ضروری ہے۔ توحید کے تصور کو سماجی زندگی میں منتقل کرنے کی یہی صورت ہے۔ اس اعتبار سے فرد میں فکری یکجہتی اسی وقت ممکن ہے جب جوشِ عمل رگوں میں سرایت کر گیا ہو۔ فکری یکجہتی

جب تک متضاد قوتوں کو ایک لڑی میں نہ پروئے' حصول مقصد ممکن نہیں۔ اقبال کا آئیڈیل انسان جلال اور جمال کے درمیان ربط کا متلاشی ہے۔ وہ دین اور دنیا کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے اور دنیا کو دین کے طابع رکھتا ہے۔ وہ اس کائنات میں خدا کا خلیفہ ہے اور اس لحاظ سے خیر کو شر پر حاوی رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک معاشرتی زندگی میں یہی توازن فکری وحدت کا پیش خیمہ ہے۔ مرد مومن اسی طرح کی صفات سے تشکیل پا کر اپنے نصب العین کی طرف سرگرم سفر ہے۔

یہ عمل خلا میں تکمیل نہیں پاتا۔ انسان اس دنیا کا باشندہ بھی ہے' اس کے اردگرد مادی زندگی کی وسعتیں بھی ہیں۔ وہ سماجی' اقتصادی اور تہذیبی قوتوں سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے وہ مسلسل جدوجہد اور مسلسل عمل میں مصروف ہے۔ انسان مادیت اور روحانیت کے درمیان ایک سے زیادہ رشتے دریافت کرتا ہے۔ سماجی' اقتصادی اور تہذیبی قوتیں ایک حقیقت ہیں۔ انسان حقائق سے دوچار ہے۔ ان حقائق کو تسخیر کائنات میں استعمال کرنا ضروری ہے۔

۵۔ فرد کی تربیت سماجی عوامل کی دخل اندازی کے حوالے سے ہمیں پانچویں نکتے تک لے آتی ہے۔ فرد کی تربیت میں معاشرے کا کیا دخل ہے' فرد کس طرح معاشرے کو اعلیٰ اقدار کے لیے استعمال کرسکتا ہے' یہ وہ سوال ہیں جو اقبال کو مسلسل سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی کے گرداں کا سارا فلسفیانہ نظام تشکیل پاتا ہے۔ وہ زندگی کو ترک کرکے گوشہ نشینی کے قائل نہیں بلکہ وہ نظام تعلیم جہاں ترک دنیا پر زور ہو' علامہ کے نزدیک زہر قاتل ہے۔ وہ تو اپنے تعلیمی نظام میں اس عنصر کے سب سے زیادہ خلاف ہیں' اسی لیے روایتی تصوف کو انہوں نے رد کر دیا کہ اس میں ترک دنیا پر زور تھا۔ علامہ کے نزدیک معاشرے کا مقصد اعلیٰ اقدار کا تحفظ' اسلامی معاشرے کی تشکیل' اور اس کی مدد سے وسیع تر انسانی معاشرے کی دریافت ہے۔ انہوں نے نکلسن کے نام اپنے ایک خط میں اس اعتراض کے جواب میں کہ ان کی شاعری عالم گیر نہیں بلکہ اسلام کے ذکر کی بنا پر محدود ہے' فرمایا:

"مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے عالم گیر ہے لیکن باعتبار اطلاق و انطباق مخصوص و محدود۔ ایک حیثیت سے ان کا ارشاد صحیح ہے۔ انسانیت کا نصب العین شعر اور فلسفے میں عالم گیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن اگر اسے موثر نصب العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطب اولیں نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک

ایسی مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرہ مخاطبت محدود کر دیں گے جو ایک مستقل عقیدہ اور معین راہ عمل رکھتی ہو' لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے نزدیک اس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔"(۳)

علامہ کی رائے میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو نبی نوع انسان کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے' چنانچہ آل احمد سرور کے نام ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء کو فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک فاشزم' کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔"(۴)

نظام تعلیم میں علامہ کے ہاں اسلام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مسلم سوسائٹی کا جو نقشہ علامہ اقبال نے پیش کیا' اس کا پورا خاکہ اسلام ہی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ وہ مذہبی تعلیم کی اہمیت کو فراموش نہیں کرتے بلکہ اسے نظام تعلیم میں ایک مرکزی حیثیت دینا چاہتے ہیں۔ ۷ فروری ۱۹۲۹ء کو علامہ نے "سوراجیہ" کے نمائندہ خصوصی سے ملاقات کے دوران میں فرمایا:

"میں اس امر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ امر واقع یہ ہے کہ میں بحیثیت ایک ہندوستانی کے مذہب کو سوراج پر مقدم خیال کرتا ہوں۔ ذاتی طور پر مجھے ایسے سوراج سے کوئی واسطہ نہ ہوگا جو مذہب سے بے نیاز ہو۔ یورپ میں تعلیم کا خالصتاً دنیوی طریق بڑے تباہی آمیز نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا ملک بھی ان تلخ تجربات سے دوچار ہو۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ باشندگان ایشیا' یورپ کے خالص مادی رویے کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ روحانی اور مادی امور کو کس طرح ایک جگہ جمع کیا جائے۔"(۵)

ان کے ذہن میں ایک ایسے معاشرے کا تصور ہے جس میں انسانیت کا احترام بنیادی قدر ہوگی اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود اس کا مطمع نظر ہوگا' چنانچہ فرماتے ہیں:

"جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو محض احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کرلیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ ہسپانیہ کے باشندے ایک نسل' ایک زبان' ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں

سے اپنے تمدن کا نام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس ایک واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم دائم نہ رہی۔ وحدت صرف ایک ہی محترم ہے' اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو رنگ و نسل اور زبان سے بالاتر ہے۔ اس نام نہاد جمہوریت' اس ناپاک قوم پرستی اور ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو جب تک مٹایا نہ جائے گا' جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے حصول کا قائل نہ ہو جائے گا' جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کا امتیاز مٹایا نہ جائے گا' اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا اور اخوت' حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوں گے۔"(٦)

(۴)

علامہ کے بنیادی تصورات تک رسائی کے لیے چار اور اقتباس اہم ہیں۔ ایک قدیم اور جدید کے حوالے سے اور دوسرا دین' اسلام اور عام انسانی زندگی کے درمیان ربط کے حوالے سے۔ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں "قدیم" ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ "جدید" بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ' دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی 'استیلا' کا اندیشہ ہے جس کا سدباب ضروری ہے۔"(۷)

"غلام قوم مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو--- دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے' نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کے متعین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی' قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جوع

الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں، دوسری صورت میں قانون الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے۔" (۸)

آخر میں دو اقتباس علامہ کی فکر کی جہت کو متعین کرنے کے لیے ضروری ہیں ۴ مارچ ۱۹۳۷ء کو سائنس اور مذہب کے حوالے سے فرمایا:

"مذہب، فلسفہ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون، سب کے سب مختلف راستے ہیں جو ایک ہی منزل مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس یعنی علوم جدیدہ اور فنون حاضرہ کے باب کھولنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاسات پر رکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی اور یہی بات علوم جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی"——

"مسلمانوں میں فرقہ معتزلہ اور دیگر فرقوں کے درمیان جو تنازعہ پیدا ہوا تھا، وہ اس قسم کا نہ تھا جو یورپ کے روشن دماغ علماء اور تاریک خیال پادریوں کے درمیان پیدا ہوا بلکہ وہ تو ایک علمی بحث تھی جس کا موضوع محض یہ تھا کہ آیا ہمیں الہامی کلام ربانی کو عقل انسانی کے معیار پر پرکھنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔" (۹)

اپریل ۱۹۳۷ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس کے موقع پر علامہ نے "اسلامی کلچر کی روح" کے موضوع پر جو کچھ فرمایا، وہ جدید طرز فکر کے سلسلے میں بہت اہم ہے۔ فرماتے ہیں:

"مکان و زماں، اشیاء کی حقیقت انسان سے پوشیدہ ہے۔ ہر انسان کے دل میں ایک ہوس ہے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ اسے نظام عالم کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ یہود کا سوال "لن نومن حتی نری اللہ جہرۃ" (ہم خدا پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اسے عیاناً نہ دیکھ لیں) اسی ہوس کا نتیجہ تھا۔ خود موسیٰ کلیم اللہ نے بھی "رب ارنی انظر الیک" کی درخواست کی تھی۔ غرض مشاہدہ کی ہوس عالم گیر ہے۔ میں نے اس خیال کو دو ایک اشعار میں سمجھایا ہے۔

خرد گفت او بچشم اندر نہ گنجد
نگاہ شوق در امید و بیم است

نی گردد کہن افسانۂ طور
کہ در ہر دل تمنای کلیم است

موسیٰ علیہ السلام کی کہانی پرانی نہیں، آج بھی ہر شخص "رب ارنی" کہہ رہا ہے۔ حقیقت کا مشاہدہ دو طرح سے ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: **وجعل لکم السمع والابصار و الافئدۃ لعلکم تشکرون (۱۶-۳۰)**

اس آیت میں حصول علم کے ذریعوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک ذریعہ تو سمع و بصر ہے اور دوسرا ذریعہ انسان کا قلب ہے، یعنی یہ نہ ہو کہ سمع و بصر کو چھوڑ کر کلی طور پر قلب کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور ایسا بھی نہ ہو کہ قلب سے غافل ہو کر یورپ والوں کی طرح بالکل سمع و بصر کے ہو رہو۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات قلب پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا۔ بلکہ ساری ایشیائی تہذیب کا خاصہ یہی ہے۔۔۔۔

نظام عالم کی آفرینش یوں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی نمو کے لیے یا اپنے آپ کو ظاہر و نمایاں کرنے کے لیے دنیا کو پیدا کیا۔ اس خط سفر کا آخری نقطہ عالم ظاہر ہے۔ اب حقیقت تک پہنچنے کی راہ یہ ہے کہ اس آخری نقطے سے الٹا سفر کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مظاہر کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کا مقصد یہ نہ ہونا چاہیے کہ انسان مشاہدۂ حقیقت کے ساتھ اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسلام کا عندیہ یہ ہے کہ حقیقت کا مشاہدہ مردانہ وار کیا جائے۔

"یہی اسلامی آئیڈیل ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال میں یہی معراج ہے کہ مشاہدۂ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم رہے، لیکن تمرد و سرکشی کے لیے نہیں بلکہ خدمت و عبدیت کے لیے۔ مسلم کو کسی چیز میں فنا نہ ہونا چاہیے گو یہ فنا فی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔" (۱۰)

(جاری)

حواشی

۱۔ میاں محمد طفیل۔ "اقبال، فلاسفی اینڈ ایجوکیشن صفحہ ۱۱۰، بزم اقبال لاہور ۱۹۶۶ء
۲۔ علامہ اقبال، "ضرب کلیم، ص ۱۵۴ (کلیات اقبال اردو ص ۶۵۴) اقبال اکادمی پاکستان لاہور
۳۔ "اقبال نامہ" حصہ اول صفحہ ۴۶۷ - ۴۶۸
۴۔ "اقبال نامہ" حصہ دوم، صفحہ ۳۱۴
۵۔ "گفتار اقبال" صفحہ ۲۲۴ (حاشیہ)

۶- 'حرف اقبال' صفحہ ۲۴۶- ۲۴۷

۷- 'اقبال نامہ' حصہ اول صفحہ ۱۴۸

۸- 'اقبال نامہ' حصہ اول' صفحہ ۲۰۱- ۲۰۲

۹- 'گفتار اقبال' صفحہ ۲۳

۱۰- 'گفتار اقبال' صفحہ ۲۴' ۲۵

***

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی نئی مطبوعات

(۱۹۹۴ء)

۱۔ کلیاتِ اقبال (اردو) سپر ڈی لکس ایڈیشن قیمت -/۸۰۰ روپے

۲۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) سپر ڈی لکس ایڈیشن قیمت -/۱۰۰۰ روپے

۳۔ کلیاتِ اقبال (اردو) عوامی ایڈیشن قیمت -/۴۵ روپے

۴۔ اقبال اور معاصر ادبی تحریکیں از: خالد اقبال یاسر قیمت -/۱۰۰ روپے

۵۔ علامہ اقبال اور عرضِ حال از: ڈاکٹر سجاد باقر رضوی قیمت -/۴۰ روپے